عمل کے بغیر کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

عمل کے بغیر کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی

(فرمودہ ۲۰؍ اکتوبر ۱۹۴۶ء بمقام قادیان برموقع سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ)

تشہّد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

مجبوریاں اور پابندیاں ہمارے ملک کا خاصہ ہوگئی ہیں ہمارا کوئی پروگرام ایسا نہیں ہوتا جس کا خاتمہ مجبوریوں اور پابندیوں کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا کر نہیں ہوتا۔ دنیا کے پردہ پر باقی اقوام کے پروگرام میں بہت ہی کم پروگرام ایسے ہوتے ہیں جن میں مجبوریوں اور پابندیوں کا ذکر کیا جائے لیکن ہمارے ملک کے افراد کی زبان پر آخری الفاظ مجبوری اور پابندی کے ہی ہوا کرتے ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانے کہ یہ لعنت کا طوق ہمارے ملک کی گردن سے کب دور ہوگا اور کب مجبوری اور پابندی بجائے قاعدہ کے استثناء بن جائے گا یہ کوئی کہہ ہی نہیں سکتا کہ کسی کام میں مجبوری اور پابندی نہیں ہوتی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ[1] بعض دفعہ بڑے بڑے پختہ عزائم کرنے کے باوجود مجھے پیچھے ہٹنا پڑا اور مجھے معلوم ہوا کہ میرے اوپر ایک خدا بھی ہے لیکن یہ استثناء ہے اور اس استثنا کا قاعدہ کی جگہ پر استعمال اس سے بھی زیادہ حماقت ہے جیسے یہ خیال کر لینا ایک احمقانہ امر ہے کہ کسی قاعدہ میں استثناء نہیں ہوا کرتا۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارے مذہب میں بھی بعض استثنائی صورتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً ہمارے مذہب میں یہ اجازت پائی جاتی ہے کہ اگر کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لو، اگر بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکو تو لیٹ کر نماز پڑھ لو، اگر لیٹ کر نماز نہ پڑھ سکو تو سر کی جنبش سے نماز پڑھ لو، اگر سر کی جنبش سے نماز نہ پڑھ سکو تو محض انگلی کی جنبش سے نماز پڑھ لو، اگر انگلی کی جنبش سے بھی نماز نہ پڑھ سکو تو آنکھوں کے اشاروں سے نماز پڑھ لو اور اگر آنکھوں کے اشاروں سے بھی نماز نہ پڑھ

سکو تو پھر دل میں ہی نماز پڑھ لو۔ اگر ہمارے مذہب میں یہ حکم نہ ہوتا تو سینکڑوں نہیں ہزاروں ہزار آدمی نماز سے محروم ہو جاتے۔ مسلمان اِس وقت چالیس پچاس کروڑ ہیں اور اِن چالیس پچاس کروڑ میں سے دو تین کروڑ ہر وقت ایسے بیمار رہ سکتے ہیں کہ ان کے لئے حرکت کرنا یا کھڑا ہونا مشکل ہو ایسے لوگوں کے لئے اگر اللہ تعالیٰ نے کوئی سبیل نہ رکھی ہوتی اور کوئی راستہ ان کے لئے تجویز نہ کیا ہوتا تو وہ نماز سے محروم ہو جاتے۔ پس اسلام کی یہ ایک بہت بڑی خوبی ہے کہ اس نے ہر قسم کی طبائع کا لحاظ رکھا اور اپنے احکام کے ساتھ استثنائی صورتوں کے جواز کا بھی راستہ کھول دیا۔ جب ہم دشمن کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے مذہب میں یہ جائز ہے کہ اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے، اگر بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکے تو لیٹ کر نماز پڑھ لے، اگر لیٹ کر نماز نہ پڑھ سکے تو انگلی کے اشارہ سے نماز پڑھ لے، اگر انگلی کے اشارہ سے نماز نہ پڑھ سکے تو اپنی آنکھوں کی جنبش سے نماز پڑھ لے اور اگر اپنی آنکھوں کی جنبش سے بھی نماز پڑھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل میں ہی نماز کے کلمات ادا کر لیا کرے۔ اور ہم یہ بات ایک عیسائی کے سامنے بیان کرتے ہیں یا ایک ہندو کے سامنے بیان کرتے ہیں یا ایک زرتشتی کے سامنے بیان کرتے ہیں اور اس کا وہ مذہب جو رسم و رواج کے بندھنوں میں جکڑا ہوا ہوتا ہے اِس قسم کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتا تو اُس کا سر جھک جاتا ہے، اس کی آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں اور ہماری گردن فخر سے تن جاتی ہے۔ اس لئے نہیں کہ ہم نے بہادری کا کام کیا بلکہ اس لئے کہ ہمیں خدا نے ایک ایسی تعلیم دی ہے جو اپنے اندر استثناء بھی رکھتی ہے۔ یہ چیز تو یقیناً شاندار ہے اور دشمن پر اس کا اثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن اگر ہم مساجد میں جائیں اور دیکھیں کہ تمام نمازی لیٹے ہوئے ہیں کوئی انگلی کے اشارہ سے نماز پڑھ رہا ہے، کوئی سر کی جنبش سے نماز پڑھ رہا ہے، کوئی محض آنکھوں کو حرکت دے کر ہی فریضہ نماز ادا کر رہا ہے اور کوئی دل میں نماز کے کلمات پڑھ رہا ہے تو کیا اس نظارہ کے بعد تم دنیا کی کسی قوم کے سامنے بھی اپنا سر اونچا کر سکتے ہو کیا تمہارا سینہ اس نظارہ کو دیکھ کر فخر سے تن سکتا ہے یا کیا دشمن کے سامنے تم اپنی گردن اوراونچی کر سکتے ہو؟ ہر شخص تمہاری طرف حقارت کی نگاہ سے دیکھے گا اور کہے گا تمہاری قوم مریضوں کی قوم ہے، تمہاری قوم ''قدم در گور'' لوگوں کی قوم ہے یہ آج

مری یا کل اِس نے بھلا دنیا میں کیا تغیر پیدا کرنا ہے۔ اب دیکھ لو وہی چیز جو استثنائی صورت میں ہمارے لئے عزت کا موجب ہوسکتی ہے عام حالات میں ہمارے لئے نہایت ہی ذلّت اور شرمندگی کا موجب بن جائے گی اور ہم آنکھیں اُٹھا کر چلنے کے قابل بھی نہیں رہیں گے۔ پس یہ صحیح ہے کہ عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ ہم نے اپنے ربّ کو فسخ عزائم سے ہی دیکھا ہے، لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ ہمارے فسخ عزائم کی اب اتنی کثرت ہوگئی ہے کہ حضرت علیؓ نے تو کہا تھا عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ لیکن ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ نَسِیْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ میں نے اپنے عزائم کو توڑ توڑ کر اپنے خدا کو بالکل بھلا دیا ہے اگر میرے اندر اپنے عزم کو پورا کرنے کی کوئی بھی نیت ہوتی تو میں اپنے ارادوں کو اتنا نہ توڑتا بلکہ خدا تعالیٰ کے خوف اور اس کے تقویٰ سے متأثر ہو کر کچھ نہ کچھ اپنے عزائم کو پورا کرنے کی کوشش کرتا۔ میں سمجھتا ہوں اگر کوئی شخص اپنا پورا زور لگا کر کسی بات پر عمل کرتا ہے تب بے شک اُس کا حق ہوتا ہے کہ وہ کہے مجبوری اور پابندی فلاں کام میں روک بن گئی ہے لیکن ابھی تک ایسا کام کرتے ہم نے خدام کو نہیں دیکھا کہ ہم یہ کہہ سکیں کہ اس کے بعد واقعہ میں ان کے مزید کام کرنے میں کوئی مجبوری اور معذوری حائل تھی۔ میں سمجھتا ہوں یہاں کوئی ایک شخص بھی کھڑے ہو کر نہیں کہہ سکتا کہ اس نے ایک ہفتہ بھی خدام کو ایسے رنگ میں کام کرتے دیکھا ہے کہ اس کے بعد ان سے کسی اور کام کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا اور اگر کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ انسان نہیں بلکہ فرشتے ہیں۔ اِس وقت تمہارے ماں باپ یہاں بیٹھے ہیں، تمہارے بڑے بھائی یہاں بیٹھے ہیں، تمہارے بزرگ اور رشتہ دار یہاں بیٹھے ہیں کیا وہ قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں کو اتنا کام کرتے دیکھا ہے کہ اس سے زیادہ کام کرنے کی ان سے امید کرنا حماقت اور نادانی ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر بے شک فسخ عزائم بھی تمہارے لئے ایک زیور بن جائے گا جو تمہارے لئے زینت اور حضرت علیؓ کے قول کے مطابق خدا تعالیٰ کی شناخت کا ایک ذریعہ ہوگا۔ لیکن اگر تم نے وہ جدوجہد نہیں کی جو تمہیں کرنی چاہئے بلکہ اگر تم نے اتنی جدوجہد بھی نہیں کی جتنی جدوجہد یورپین اقوام اپنے دُنیوی مقاصد کے لئے کر رہی ہیں تو تمہارا فسخ عزائم کو پابندی اور مجبوری کا نتیجہ سمجھنا اللہ تعالیٰ کے قانون کی ہتک ہے۔ لوگ کہتے ہیں اس ملک میں ملیریا بہت ہے اور اسی

کے زہر کا یہ نتیجہ ہے کہ طبائع میں جمود اور تکاسل پایا جاتا ہے لیکن اگر یہ درست ہو تب بھی اس حالت کو بدلنا ہمارا فرض ہے۔ اگر ہم نے دنیا میں کوئی نیک تبدیلی پیدا کرنی ہے تو یقیناً ہمارا فرض ہے کہ ہم اس امر کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں کہ وہ چیز جو ہمارے بڑوں کے لئے سُستی کا موجب ہوئی تھی وہ آئندہ نئی نسل میں پیدا نہ ہو۔ اگر نئی نسل میں پہلوں سے زیادہ سُستی پیدا ہوتی ہے تو یقیناً یہ چیز ہمارے لئے فخر کا موجب نہیں ہوسکتی نہ اس سُستی کے نتیجہ میں ہمارا کام صحیح طور پر ہوسکتا ہے اور نہ ہم اپنی تنظیم کے اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں کیونکہ تنظیم وہی کامیاب ہوتی ہے جس کی اگلی کڑی پہلی کڑی سے زیادہ مضبوط ہو اور جس کے نتیجہ میں آئندہ نسل پہلوں سے زیادہ فرض شناس اور کام کرنے والی ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ملیریا زدہ ہندوستان کے اندر فاقہ میں اپنے اوقات بسر کرنے والے اور بہت کم خوراک استعمال کرنے والے لوگ ہماری جماعت میں پائے جاتے تھے مگر ان کے اخلاص اور ان کی قربانی اور ان کی مستعدی اور ان کی جانفشانی کی یہ حالت تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے کوئی حکم سنتے تو وہ راتوں رات بٹالہ یا گورداسپور یا امرتسر پہنچ جاتے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی تعمیل کر کے واپس آتے۔ اب بجائے اس کے کہ ہمیں ترقی حاصل ہوتی ہمیں اس میں تنزّل کے آثار نظر آرہے ہیں حالانکہ چاہئے یہ تھا کہ پہلے اگر سلسلہ کا کام پیش آنے پر ہماری جماعت کے لوگ پیدل بٹالہ، امرتسر اور گورداسپور پہنچ جاتے تھے آجکل کے خدام لاہور، گجرات اور پشاور جانے کے لئے تیار ہو جاتے تب ہم سمجھتے کہ یہ چیز ہمارے لئے خوشی کا موجب ہے اور ہماری بیماری کو آئندہ نسل نے اپنے جسم میں سے دور کر دیا ہے۔ آئندہ نسل پہلے سے بہتر پیدا ہو رہی ہے، اگلی اس سے بہتر پیدا ہوگی اور پھر اگلی اس سے بہتر پیدا ہوگی یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ہمارے اندر اتنی طاقت پیدا ہو جائے گی کہ ہم کام کی صلاحیت کے لحاظ سے یورپین اقوام کا مقابلہ کرسکیں گے۔ لیکن اگر یہ بات ہمیں نصیب نہیں اور اگر ہم کم سے کم کام کر سکتے ہیں تو یہ ہمارے لئے موت کی علامت ہے، ہمارے لئے رونے کا مقام ہے خوشی اور مسرت کا نہیں۔ یہ چیز ہے جو خدام الاحمدیہ سے تعلق رکھتی ہے اور یہ چیز ہے جو خدام الاحمدیہ کو اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے۔

باقی جلسے کرنا، تقریریں کرنا اور کچھ شعر وغیرہ پڑھ دینا کوئی چیز نہیں جیسے ثاقب صاحب نے ابھی نظم پڑھی ہے مگر نہ اس سے ثاقب صاحب کا دل ہلا، نہ سننے والوں کا دل ہلا اور نہ واہ وا اور سُبْحَانَ اللّٰہ کا شور بلند ہوا۔ پُرانے زمانے میں کم سے کم اتنی بات تو تھی کہ خواہ بناوٹ اور تکلف سے ہی سہی بہر حال جب ایک شاعر اپنے شعر سناتا تو لوگ حال کھیلنے اور ناچنے اور سر مارنے لگ جاتے۔ تم اِس کو بناوٹ ہی کہو مگر وہ اتنا تو کہہ سکتے تھے کہ ہمارے شعروں میں یہ اثر ہے کہ لوگ ناچنے اور سر مارنے لگ جاتے ہیں لیکن آجکل شعروں میں کیا ہوتا ہے صرف لفاظی اور لفاظی اور لفاظی اور لفاظی۔

میں نے پچھلی دفعہ سب سے زیادہ زور اس امر پر دیا تھا کہ تم عملی رنگ میں کام کرو اور دنیا کے سامنے اپنے کام کا نمونہ پیش کرو اِس وقت یورپ تو الگ رہا ہندوؤں میں بھی تم سے بہت زیادہ چستی اور بیداری پائی جاتی ہے اور وہ بہت زیادہ اپنی تنظیم کی طرف متوجہ ہیں مگر تم نے اس طرف توجہ نہیں کی حالانکہ عمل کے بغیر دنیا میں کبھی کوئی قوم کامیابی حاصل نہیں کر سکتی۔ میرے پاس رپورٹ کی گئی ہے کہ خدام الاحمدیہ کا معائنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ اَنڈر نرشڈ Under nourished یعنی اس میں سے بہت سے نوجوان مناسب غذا نہ ملنے کی وجہ سے کمزور ہیں مگر اَنڈر نرشڈ (Under nourished) کے یہ معنی نہیں کہ انہیں غذا کافی نہیں ملتی بلکہ درحقیقت اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کی غذا صحیح طور پر ہضم نہیں ہوتی۔ میں نے بہت مطالعہ کیا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اکثر موٹے آدمی بہت ہی کم غذا کھایا کرتے ہیں۔ جب بھی میں نے تحقیق کی ہے مجھے یہی معلوم ہوا ہے کہ دُبلے آدمی زیادہ کھاتے ہیں اور موٹے آدمی کم۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موٹے آدمی کے معدہ میں ایسا بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے کہ جب غذا اندر جاتی ہے تو انسانی جسم کی مشینری اُس غذا کو شکر میں تبدیل کر دیتی ہے اور اس طرح اسے دوسروں کی نسبت بہت کم غذا کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ پس کمزوری کی اصل وجہ غذا کی قلت نہیں بلکہ اس کا بہت بڑا تعلق انسان کی قوتِ ہاضمہ کے ساتھ ہے۔ اگر کسی شخص کے معدہ میں کوئی ایسی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے کہ وہ روٹی چاہے کس قدر کھائے فضلہ زیادہ پیدا ہوتا ہے تو وہ دس روٹیوں سے اتنا فائدہ نہیں اُٹھا سکے گا جتنا دوسرا شخص صرف ایک روٹی کھا کر اُٹھا لے گا۔ یہ چیزیں ایسی ہیں جن کا انسان کی

قوتِ ہاضمہ کے ساتھ تعلق ہے پھر بہت کچھ نشاط اور عزم سے بھی یہ امور تعلق رکھتے ہیں اور تھوڑی تھوڑی غذا سے بھی انسان میں نہایت اعلیٰ درجہ کی قوتِ عملیہ پیدا ہوتی ہے اگر غذا کے ساتھ ورزش رکھی جائے اور پھر غذا کے استعمال کے وقت بشاشت اور نشاط کو قائم رکھا جائے تو غذا ایسے طور پر جزو بدن ہوتی ہے کہ انسان کے تمام قویٰ میں ایک طاقت محسوس ہونے لگتی ہے۔ جسے ہمارے ملک میں اَنگ لگنا کہتے ہیں اور یہ چیز اس کی ترقی اور راحت کا موجب ہوتی ہے۔ پس غذا کے صحیح نہ ملنے کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں کو غذا کی کمی کی شکایت ہے بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ انہیں غذا کے استعمال کا صحیح طریق معلوم نہیں اگر صحیح طور پر غذا کھائی جائے تو تھوڑی سے تھوڑی غذا بھی انسان کے اندر بہت بڑی قوتِ عملیہ پیدا کر دیتی اور اُس کے قلب میں نئی اُمنگ اور نیا جوش بھر دیتی ہے۔ صحابہؓ کو کونسی غذا ملتی تھی؟ بہت سے صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہمیں کبھی پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملی۔ اس کے مقابلہ میں دیکھ لو یہاں کتنے لوگ ہیں جن کو پیٹ بھر کر کھانا میسر نہیں آتا یہاں شاید چند گھر ایسے ہوں تو ہوں جو کبھی ناواقفی کی وجہ سے بھوکے رہ جائیں لیکن صحابہؓ میں تو اکثر ایسے تھے جن کو پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی تھی مگر اس کے باوجود انہوں نے اپنے کام اتنی علوہمتی سے سرانجام دیئے ہیں کہ دین تو دین رہا دنیا کے کاموں میں بھی وہ ایک نمونہ قائم کر گئے ہیں۔ اس کی یہی وجہ تھی کہ اِن کے اندر ایک غیر معمولی جذبہ پایا جاتا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ ہم دنیا میں ایک عظیم الشان تغیر پیدا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں اور یہ تغیر ہمارے ہاتھوں سے پیدا ہو کر رہے گا۔ یہ چیز تھی جو اِن کی اُمنگوں کو قائم رکھتی تھی۔ یہ چیز تھی جو اِن کی ہمتوں کو بلند رکھتی تھی، یہ چیز تھی جو عزم اور ان کے ارادہ کو کبھی متزلزل نہیں ہونے دیتی تھی اور یہ چیز تھی جو انہیں ترقی کے میدان میں ہمیشہ آگے ہی آگے اپنا قدم بڑھانے پر مجبور کرتی تھی۔ تمہارے جسم پر کبھی پھٹا ہوا کپڑا ہو تو تم رونے لگ جاتے ہو اور کہتے ہو ہماری قسمت کیسی پھوٹ گئی کہ ہمیں پہننے کے لئے پھٹا ہوا کپڑا ملا۔ مگر صحابہؓ کو پھٹا ہوا کپڑا ملتا تو ان کا سر اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جاتا، ان کی زبان اس کے احسان کے ذکر سے تر ہو جاتی اور وہ کہتے کتنا اچھا کپڑا ہے جو ہمارے خدا نے ہمیں دیا۔ انہیں اگر ایک سُوکھی ہوئی روٹی کا ایک ٹکڑا بھی چار دن کے بعد ملتا تو خوشی سے اُن کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو جاتی اور وہ کہتے اَلْحَمْدُلِلّٰہِ خدا نے ہمیں اپنے انعام

سے نوازا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں جو فائدہ سوکھی روٹی کے ٹکڑوں نے دیا وہ تمہیں پلاؤ اور قورمہ بھی نہیں دیتے۔ آج جسے پلاؤ ملتا ہے وہ پلاؤ تو کھاتا جاتا ہے مگر ساتھ ہی اِس حسرت سے اُس کا دل کباب ہو رہا ہوتا ہے کہ پلاؤ کے ساتھ زردہ نہیں، جسے پلاؤ اور زردہ میسر آئے وہ پلاؤ اور زردہ کھاتے ہوئے خون کے آنسو بہا رہا ہوتا ہے اور کہتا ہے پلاؤ اور زردے کو میں کیا کروں فرنی تو اس کے ساتھ نہیں۔ جسے دال ملتی ہے وہ گوشت کے لئے روتا ہے، جسے گوشت ملتا ہے وہ چاولوں کے لئے تڑپتا ہے، جسے کھانے کے لئے چار روٹیاں ملتی ہیں وہ کہتا ہے چار روٹیوں سے کیا بنتا ہے ملتیں تو چھ ملتیں، جسے دو ملتی ہیں وہ ایک ایک لقمہ زہر مار کر رہا ہوتا ہے اور کہتا ہے دو روٹیاں بھی کوئی روٹیاں ہیں ملتی تو چار ملتیں اور جس کو ایک روٹی ملتی ہے وہ روٹی بھی کھاتا جاتا ہے مگر ساتھ ہی اُس کا خون کھول رہا ہوتا ہے کہ میں کتنی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو گیا مجھے کھانے کے لئے صرف ایک روٹی مل رہی ہے۔ وہاں روکھی سوکھی روٹی کا ٹکڑا بھی ملتا تھا تو صحابہؓ کہتے کہ ہم تو اس ٹکڑے کے بھی مستحق نہ تھے یہ تو خدا کا فضل ہے کہ اس نے یہ ٹکڑا ہمیں عنایت کیا۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہ روکھی روٹی کا ٹکڑا اُن کے انگ لگ جاتا تھا، ان کے اندر علوہمتی پیدا کرتا تھا اور ان کے جذبۂ شکر گزاری کو اور بھی بڑھا دیتا تھا۔

فتح مکہ کے دن جس دن عرب کا مقام امارت ختم ہوا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے، مکہ کے بڑے بڑے صنادید جن کی ساری زندگی اسلام کی دشمنی میں گزری تھی گردن جھکائے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے ان کے سامنے یہ اعلان کیا کہ جاؤ میں تمہیں کچھ نہیں کہتا تم سب میری طرف سے آزاد ہو۔[۲] یہ اعلان کرنے کے بعد آپ اپنی پھوپھی کے پاس گئے اور فرمایا پھوپھی کچھ کھانے کو ہے؟ پھوپھی نے کہا میرے عزیز بچے! اگر میرے پاس کچھ کھانے کو ہوتا تو میں تمہیں خود ہی بُلا کر کھلا دیتی میرے گھر میں تو سوائے ایک سوکھی روٹی کے جو کئی دن سے پڑی ہوئی ہے اور کچھ نہیں۔ آپ نے کہا دکھائیں تو سہی وہ کونسی روٹی ہے؟ جب وہ سوکھی روٹی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں لائیں تو آپ نے فرمایا پھوپھی یہ تو بہت ہی اچھی روٹی ہے اس کے سوا اور کیا چاہئے کہ آپ افسردہ ہو رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ میرے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں۔ پھر

فرمایا پانی ہے؟ آپ کی پھوپھی پانی لائیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ روٹی پانی میں بھگو دی۔ اس کے بعد فرمایا سالن ہے؟ پھوپھی نے کہا سالن ہمارے گھر میں کہاں سے آیا اگر ہوتا تو میں پہلے نہ لے آتی میرے پاس تو صرف تھوڑا سا کھٹا سرکہ پڑا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سرکہ سے اچھا سالن اور کیا ہوگا لائیں اس سے روٹی کھا لوں۔ چنانچہ سرکہ لایا گیا اور آپ نے اس سے بھگوئی ہوئی روٹی کھائی[۳] یہ ایک لگنے والا کھانا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرکہ کو بھی خدا کی نعمت سمجھا اور سوکھی روٹی اس کے ساتھ کھا کر اس کے فضل کا شکر ادا کیا۔ پس درحقیقت ہاضمہ انسان کی اس بشاشت سے پیدا ہوتا ہے جو دل میں پیدا ہوتی ہے اگر خوشی سے ایک معمولی چیز بھی کھائی جائے تو وہ بہت زیادہ قوت پیدا کرتی ہے لیکن اگر رنج سے اچھی سے اچھی چیز بھی کھائی جائے تو وہ انسان کے اندر کوئی قوت پیدا نہیں کرتی۔ تم لوگ ہر چیز کے متعلق یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں زیادہ ملنی چاہئے تھی مگر کم ملی۔ مگر وہ ہر چیز کے متعلق یہ سمجھتے تھے کہ ہمیں کم ملنی چاہئے تھی مگر زیادہ ملی اس وجہ سے ان کی ایک ایک روٹی انہیں وہ فائدہ پہنچا دیتی تھی جو تمہیں دس دس روٹیاں بھی فائدہ نہیں پہنچاتیں۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ تم کمئی غذا کا شکار ہو لیکن میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ میں تمہیں بیس بیس روٹیاں بھی اپنے سامنے کھلاؤں تو تم پہلے سے زیادہ دُبلے ہوتے چلے جاؤ کیونکہ تمہیں اُمنگ نہیں اور تم میں سے بعض نے ابھی ایمان کی حلاوت نہیں چکھی تمہارے دل اس حقیقت سے قطعی طور پر بے خبر ہیں کہ تمہیں خدا نے ایک عظیم الشان روحانی کام کے لئے پیدا کیا ہے اور جسے خدا روحانی اِنقلاب اور تغیر کے لئے پیدا کرے اس کے مقابلہ میں دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی ہیچ ہوتا ہے مگر بجائے اس کے کہ تم اپنے مقام کو سمجھو اور اپنے فرائض کا صحیح احساس پیدا کرو تم نہایت ادنیٰ اور ذلیل چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہو اور کہتے ہو مجھے یہ نہیں ملا مجھے وہ نہیں ملا جب تک تمہارے اندر یہ احساس پیدا نہ ہو کہ تمہیں خدا نے کس غرض کے لئے پیدا کیا ہے اور جب تک تم اپنے درجہ کو نہ پہچانو اُس وقت تک تم نے کام کیا کرنا ہے۔ تم کو تو خدا نے اس مقام پر کھڑا کیا ہے کہ تمہارا دل خوشی کی لہروں سے ہر وقت پُر رہنا چاہئے اور تمہارے اندر ہر وقت بیداری اور ہوشیاری نظر آنی چاہئے۔ اگر یہ چیز تمہارے اندر پیدا ہو جائے تو فوری طور پر تم

میں ایسی قوت پیدا ہو جائے کہ قلیل سے قلیل خوراک بھی تمہیں کام کرنے کے قابل بنا دے۔
میں نے دیکھا ہے آجکل کے نوجوانوں سے بڈھے زیادہ کام کر لیتے ہیں ڈلہوزی جاتے ہوئے مجھے ہمیشہ اس کا تجربہ ہوتا ہے میرے ساتھ چونکہ دفتر کے علاوہ انجمن کے کلرکوں میں سے بھی ایک کلرک کا جانا ضروری ہوتا ہے اور میں کام کسی قدر سختی سے لیتا ہوں اس لئے ایک دو مہینہ کام کرنے کے بعد ہی ان کی طرف سے انجمن میں درخواستیں جانی شروع ہو جاتی ہیں کہ ہمیں اس دفتر سے بدلا جائے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا کام اتنا ہی ہے کہ سو رہیں اور مہینہ کے بعد تنخواہ لے لیں۔ میرے نزدیک اس صورت حالات کی وجہ سے ناظروں پر بھی حرف آتا ہے۔ اگر ناظر اپنے کارکنوں سے صحیح طور پر کام لیتے تو ان میں یہ احساس ہی کیوں پیدا ہوتا کہ ہمیں اس دفتر سے فلاں دفتر میں بدل دیا جائے یہاں کام زیادہ ہے اور وہاں کام تھوڑا ہے، پھر تو وہ سمجھتے کہ بلا ہر جگہ مسلّط ہے اور ہمارے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم محنت سے کام کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ کام سے بھاگنا اور گریز کرنا یہ ایک عام عادت ہمیں نوجوانوں میں نظر آتی ہے جب تک اِس عادت کو دور نہیں کیا جائے گا، جب تک اپنی ذمہ داری کو صحیح طور پر نہیں سمجھا جائے گا، جب تک اپنے مقام کے احساس کا مادہ اپنے اندر پیدا نہیں کیا جائے گا تب تک ہماری جدوجہد کبھی اعلیٰ نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔ لیکن جب یہ چیزیں پیدا ہو گئیں تو دینی تغیر تو پیدا ہو گا ہی دُنیوی حالتیں بھی خود بخود بدلنی شروع ہو جائیں گی۔
یہ امر یاد رکھو کہ نکمی قوم دنیا کے پردہ پر بھی کوئی عزت حاصل نہیں کر سکتی۔ وہ چیز جس کی عام طور پر لوگ خواہش رکھتے ہیں یعنی دُنیوی شان و شوکت ان کا چاہنا عیب ہے لیکن یہ امر قطعی طور پر ناممکن ہے کہ اگر اسلام کی تعلیم پر صحیح طور پر عمل کیا جائے تو وہ چیز تمہیں میسر نہ آئے بیشک اس کا چاہنا عیب ہے مگر اس کا ملنا لازمی ہے۔ آج تک کسی نبی کی قوم نے بھی یہ نہیں چاہا کہ اسے دُنیوی شان و شوکت مل جائے لیکن اگر وہ قوم صحیح طور پر نبی کی قوم بن جائے تو اسے یہ چیز بھی ضرور مل جاتی ہے۔ بیشک ایک قوم اُس وقت گنہگار ہو گی جب وہ خود اپنی زبان سے دنیا کی بادشاہت طلب کرے لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتی اور اپنے سارے وسائل اُس کی راہ میں قربان کر دیتی ہے تو خدا تعالیٰ یہ دکھانے کے لئے کہ میں قادر خدا ہوں دنیا کی

بادشاہتیں بھی ان کے سپرد کر دیتا ہے۔

سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ کے متعلق لکھا ہے کہ لوگوں نے ان پر اعتراض کیا کہ آپ اچھے کھانے کھاتے اور اچھے کپڑے پہنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں کبھی کھانا نہیں کھاتا جب تک مجھے خدا نہیں کہتا کہ اے عبدالقادر! میری ذات ہی کی قسم ہے تو یہ کھانا کھا اور میں اچھے کپڑے نہیں پہنتا جب تک مجھے خدا نہیں کہتا کہ اے عبدالقادر! تجھے میری ذات ہی کی قسم ہے تو یہ کپڑا پہن۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ایک انسان خدا کا ہو جاتا ہے تو وہ چیز جو اس نے خدا کے لئے چھوڑی ہوتی ہے اُسے خدا کی طرف سے عطا کی جاتی ہے اور اس وقت اس کا چھوڑنا گناہ ہوتا ہے جیسے پہلے اس کا مانگنا گناہ ہوتا ہے۔ اگر تم اس چیز کو چھوڑنا چاہتے ہو تو یہ ایک نقص ہوگا کیونکہ خدا یہ چاہتا ہے کہ وہ تمہیں یہ چیز خلعت کے طور پر عطا کرے اور یقیناً وہ دن آئے گا اور ضرور آئے گا جب ہر چیز تمہارے ہاتھ میں ہوگی خواہ یہ دن تمہارے لئے آئے یا تمہاری نسلوں کے لئے مگر تم تو درخت بونے میں آتے ہی نہیں کہ تم اس کا پھل کھا سکو۔ کہتے ہیں ایک بادشاہ ایک بڈھے کے پاس سے گزرا اور اس نے دیکھا کہ وہ ایک ایسا درخت لگا رہا ہے جو بہت دیر سے پھل لاتا ہے بادشاہ حیران ہوا اور اس نے بڈھے سے مخاطب ہو کر کہا۔ میاں بڈھے! تم کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو تمہاری ستّر اسّی سال عمر ہے تم آج نہ مرے کل مرے زیادہ سے زیادہ جئے بھی تو پانچ سات سال زندہ رہو گے مگر یہ درخت تو بہت دیر کے بعد پھل لائے گا اور تم اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکو گے پھر ایسا درخت تم کیوں بو رہے ہو؟ بڈھے نے کہا بادشاہ سلامت! آپ نے یہ کیا کہہ دیا آپ تو بڑے عقلمند اور دوراندیش انسان ہیں اگر پہلے لوگ بھی اسی خیال میں مبتلا رہتے کہ جب ہم نے پھل نہیں کھانا تو ہم درخت کیوں لگائیں اور وہ اس خیال کے ماتحت درخت نہ لگاتے تو آج ہم کہاں سے پھل کھاتے انہوں نے درخت لگائے تو ہم نے پھل کھائے اب ہم درخت لگائیں گے اور ہماری آئندہ نسلیں اِس کا پھل کھائیں گی۔ بادشاہ کو اُس کی یہ بات بہت پسند آئی اور اُس نے کہا زِہ یعنی کیا ہی خوب بات کہی ہے۔ بادشاہ نے یہ حکم دیا ہوا تھا کہ جب میں کسی کی بات پر خوش ہو کر زِہ کہوں تو اسے فوراً تین ہزار کی تھیلی انعام دی جایا کرے۔ جب بادشاہ نے زِہ کہا تو خزانچی نے فوراً تین ہزار کی ایک تھیلی بڈھے کے سامنے

رکھ دی۔ بڈھے نے تھیلی اُٹھائی اور کہا بادشاہ سلامت! آپ تو کہتے تھے کہ تو اُس درخت کا پھل نہیں کھائے گا دیکھئے لوگ درخت لگاتے ہیں تو کہیں دیر کے بعد اس کا پھل کھانا نصیب ہوتا ہے لیکن میں درخت لگا ہی رہا ہوں کہ میں نے اِس کا پھل کھا لیا۔ بادشاہ نے یہ سن کر پھر زِہ کہا اور خزانچی نے تین ہزار کی ایک اور تھیلی اس کے سامنے رکھ دی۔ اس پر وہ بڈھا پھر بولا اور اُس نے کہا بادشاہ سلامت! لوگ تو سال میں صرف ایک دفعہ پھل کھاتے ہیں لیکن میں نے تو ابھی لگاتے لگاتے اِس کا دو دفعہ پھل کھا لیا ہے۔ اِس پر بادشاہ کے منہ سے پھر نکلا زِہ اور خزانچی نے فوراً تین ہزار کی ایک تیسری تھیلی اس کے سامنے رکھ دی۔ یہ دیکھ کر بادشاہ ہنس پڑا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا چلو یہاں سے ورنہ یہ بڈھا ہمارا سارا خزانہ لوٹ لے گا۔ بات یہ ہے کہ تم بیج لگاؤ گے تو پھل کھاؤ گے مگر تم تو بیج لگانے میں آتے ہی نہیں۔ تم میں سے بعض کی ذہنیتیں وہی ہیں جو لیبر یا لبرل پارٹیوں کی ہیں یعنی یہ کہ پہلے خدا ہمیں دے پھر ہم سے کام لے حالانکہ خدا اس قوم کو اپنے انعامات دیا کرتا ہے جو اپنے نفوس کو اس کی راہ میں قربان کر دیا کرتی ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں کیا کرتی کہ اسے کیا ملا۔

مجھے یاد ہے میں ایک دفعہ کشمیر گیا کشمیری ایک خاص فن میں مشہور ہیں جس کی میں اس وقت مذمت کر رہا ہوں یعنی یہ بات ان کی عادت میں داخل ہے کہ ان کا دستِ سوال ہمیشہ دراز رہتا ہے، اُن دنوں موٹریں نہیں ہوتی تھیں کشمیر تک یکّوں میں سفر کیا جاتا تھا۔ ایک منزل پر ہم ٹھہرے تو بارش آ گئی اور ہمیں اسباب کو اندر رکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مولوی سید سرور شاہ صاحب بطور اتالیق ہمارے ہمراہ تھے اور میر محمد اسحٰق صاحب، میاں بشیر احمد صاحب اور مَیں تینوں ان کی اتالیقی میں کشمیر کی سیر کے لئے گئے تھے۔ یہ حضرت خلیفہ اوّل کی خلافت کے دوسرے سال کا واقعہ ہے۔ جب بارش آئی تو ہم نے ایک کشمیری مزدور کو بلایا اور اُسے کہا سامان یہاں سے اُٹھا کر برآمدہ میں رکھ دو، وہ کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ ایک ایک چیز کا ایک ایک پیسہ لوں گا لیکن پہلے پیسہ لوں گا اور پھر کوئی چیز اُٹھاؤں گا۔ بچپن کی عمر کے لحاظ سے اس وقت ہمیں مذاق سوجھا، ہم ایک پیسہ اُس کے ہاتھ پر رکھ دیتے اور وہ ایک چیز اُٹھا کر برآمدہ میں رکھ دیتا۔ پھر واپس آتا اور ایک پیسہ لے کر دوسری چیز اُٹھاتا اور اُسے برآمدہ میں رکھ آتا اسی طرح

ہر دفعہ ایک ایک پیسہ لیتا جاتا اور چیزیں اُٹھا اُٹھا کر اندر رکھتا جاتا آخر جب تمام چیزیں رکھ چکا تو مجھے ایک اور مذاق سوجھا۔ ہم سے گز بھر ایک کونہ میں چھتری پڑی تھی میں نے بچپن کی شرارت میں جان کر اُسے کہا کہ وہ چھتری تو پکڑا دو، اس پر فوراً اُس نے ہاتھ آگے کر دیا اور کہا لاؤ پونسہ ہم نے پیسہ اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور وہ چھتری اُٹھا کر برآمدہ میں لے گیا۔ یوں تو ہم خود بھی چھتری اُٹھا سکتے تھے مگر اس وقت ہم نے مذاقاً اسے چھتری اُٹھانے کو بھی کہہ دیا جس پر اس نے نہایت بے تکلفی سے کہا کہ لاؤ پونسہ اور جب ہم نے پیسہ دیا تو تب اس نے چھتری کو ہاتھ لگایا۔ تمہارا معاملہ بھی خدا تعالیٰ سے اسی قسم کا ہے اگر تم بھی ہر بات پر یہی کہتے رہو کہ ''لا پونسہ'' اور تم ایک کشمیری مزدور کی طرح لا پونسہ کہنے کے عادی بن جاؤ تو وہ بھی تمہیں مزدور ہی رکھے گا کیونکہ تم بات تو کشمیری مزدور والی کرتے ہو اور امید یہ رکھتے ہو کہ تم سے خدا تعالیٰ وہ سلوک کرے جو اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے ساتھ کیا حالانکہ ''لا پونسہ'' کہنے والے سے تو مزدور کا ہی سلوک کیا جائے گا بادشاہ کا سلوک اسی سے کیا جاتا ہے، جو اپنی ہر چیز قربان کر دیتا ہے جو اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے راہ میں کُلّی طور پر فنا کر دیتا ہے اور اس سے کسی قسم کا مطالبہ نہیں کرتا تب اس کا آقا کہتا ہے اس نے اپنے آپ کو میرے لئے فنا کر دیا ہے اب یہ مجھ سے جدا نہیں رہا تب جیسے بیٹا اپنے باپ کا وارث ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بھی دنیا اس کے سپرد کر دیتا ہے۔ یہ کام ہے جو تم نے کرنا ہے۔ جب تک تم یہ کام نہیں کرتے، جب تک تمہارے اندر ایسی خلش پیدا نہیں ہوتی جو رات اور دن تمہیں بے تاب رکھے اور تمہیں کسی پہلو پر بھی قرار نہ آنے دے اُس وقت تک تم اس مقام کو حاصل نہیں کر سکتے جو صحابہؓ نے حاصل کیا۔ ابھی ہماری ترقی ہے ہی کیا تین چار ہزار آدمیوں کا سال بھر میں ہم میں شامل ہو جانا اور ہر سال دس بیس لاکھ روپے کا آ جانا سرِ دست ہماری ترقی صرف اسی حد تک ہے مگر کیا اتنے سے کام سے دنیا میں وہ روحانی تغیر پیدا کیا جا سکتا ہے جس تغیر کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے۔ یہ تغیر اُس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک لاکھوں لاکھ آدمی ہماری جماعت میں شامل نہیں ہوتے مگر سوال یہ ہے کہ آخر لاکھوں لاکھ آدمی کیوں ہماری جماعت میں شامل نہیں ہوتا اسی لئے کہ دنیا تمہاری طرف دیکھ کر کہتی ہے کہ ہم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں اور چونکہ دشمن اپنے مخالف کو

ہر بات میں نیچا بتانے کا عادی ہوتا ہے جب اسے تم میں اور ان میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تو کچھ شریف الطبع لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ ہم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں اور کچھ لوگ جو غیر شریفانہ رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ لوگ ہم سے بھی زیادہ گندے ہیں اور اس طرح دشمن برابری کو بھی نچلا درجہ دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جو چیزیں تمہیں ملی ہیں وہ اُن کو نہیں ملیں۔ اگر ان کے ہوتے ہوئے تم ان سے فائدہ نہیں اُٹھاتے تو یقیناً تم ان سے نچلے درجہ پر ہو۔ ایک شخص جس کے پاس ہزار روپیہ ہے وہ اگر خست سے روٹی کھاتا ہے اور ایک دوسرا شخص جسے صرف ایک وقت کی روٹی ملتی ہے وہ بغیر خست کے اسے استعمال کرتا ہے تو وہ اگر یہ کہے کہ ہزار روپیہ رکھنے والا مجھ سے زیادہ ذلیل ہے تو وہ ایسا کہنے میں حق بجانب ہوگا کیونکہ اُس کا فاقہ مجبوری کی وجہ سے ہوگا اور اُس کا فاقہ خسانت اور دنایت کی وجہ سے ہوگا۔ پس جب تک تم اپنے اندر تبدیلی پیدا کر کے وہ نئی زندگی حاصل نہیں کرتے جو صحابہؓ نے حاصل کی اُس وقت تک ہم نہ ترقی کر سکتے ہیں اور نہ ہم یہ امید کر سکتے ہیں کہ ہم خدا کے خاص منعم علیہ گروہ میں شامل ہو جائیں گے۔

خدا اِس وقت دنیا میں ایک عظیم الشان روحانی انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے اور ایک بہت بڑا تغیر اس کے حضور مقدر ہے مگر وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے اور افسوس ہے کہ ہماری جماعت نے اس کا ایک حصہ سونے میں گزار دیا ہے۔ ہمارے سلسلہ کو قائم ہوئے چھپن سال گزر چکے ہیں اور چھپن سال میں انسان بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جاتا ہے بیشک بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے ستّر پچھتر سال کی عمر میں بھی مضبوط قویٰ ہوتے ہیں لیکن گورنمنٹ پچپن سال کی عمر پر اپنے ملازموں کو پنشن دے دیا کرتی ہے پس تم پر اب اتنی عمر گزر چکی ہے کہ جس عمر پر گورنمنٹ لوگوں کو پنشن دے دیا کرتی ہے مگر باوجود اِس کے کہ تم پنشن کی عمر کو پہنچ چکے ہو تم نے ابھی پہلا گریڈ بھی حاصل نہیں کیا۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے، یہ کتنے رنج کی بات ہے، یہ کتنے غم اور فکر کی بات ہے پس اپنے اندر تغیر پیدا کرو اور اپنے دماغوں میں ایک نیک تبدیلی رونما کرو۔ جس طرح سان پر چاقو چڑھایا جاتا ہے اسی طرح جب تک خدا تعالیٰ کی خشیت کی سان پر تم اپنے دماغوں کو نہ چڑھاؤ گے، جب تک تم اپنی زندگی خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بسر نہیں کرو گے اور جب تک تم مُخلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ؎ کا کامل نمونہ نہیں بنو گے اُس وقت تک تم سے کسی کام کی امید

رکھنا یا خیال کر لینا کہ اسلام یورپین اقوام کے مقابلہ میں جیت جائے گا، ایک حماقت اور جنون کی بات ہوگی۔ یورپین اقوام کے مقابلہ میں تم کس طرح جیت سکتے ہو جب کہ یورپین اقوام تم سے دس گنے زیادہ کام کرتی ہیں اور جرمن تم سے بیس گنے زیادہ کام کرتے ہیں یہی حال دوسری اقوام کا ہے کہ وہ بہت زیادہ محنت اور بہت زیادہ جفاکشی سے کام لینے کی عادی ہیں اور جرمنوں اور امریکیوں اور انگریزوں کے مقابلہ میں تمہارے کاموں اور قربانیوں کی کوئی نسبت ہی نہیں بلکہ عیسائی آج دُنیوی اغراض کے لئے جو قربانیاں کر رہے ہیں وہ تم خدا کے لئے نہیں کر رہے پس تمہارا اور ان کا مقابلہ ہی کیا؟

بسا اوقات لوگ سوال کیا کرتے ہیں کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اس کے نیک نتائج کیوں پیدا نہیں ہوتے اور کیوں اسلام کی فتح کا دن قریب سے قریب تر نہیں آ جاتا؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ محض ذہنی باتیں ہوتی ہیں اور لوگوں کے دل ذہنی باتوں سے تسلی نہیں پا سکتے۔ یورپ میں جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں وہ صرف اس تعلیم کی وجہ سے قبول کرتے ہیں جو قرآن کریم اور احادیث اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں میں درج ہے اور جس کے محاسن کو پیش کر کے ہم لوگوں کے قلوب کو فتح کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہ ہزاروں ہزار آدمی جو اسلام کے محاسن کو دیکھ کر فریفتہ ہو جاتے ہیں جب ہماری جماعت کے اعمال پر نگاہ دَوڑاتے ہیں تو ان کا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے، ان کی خوشی سرد ہو جاتی ہے اور وہ وہیں کے وہیں رہ جاتے ہیں۔ پہلے تو وہ خیال کرتے ہیں کہ شاید آسمان سے ہمارے لئے ایک ایسا علاج نازل ہوا ہے جس سے ہمارے مزمن امراض دور ہو جائیں گے اور ہم بھی خوشی اور مسرت کی زندگی بسر کر سکیں گے۔ مگر جب وہ ہماری طرف نگاہ دَوڑاتے ہیں تو ان کے تمام ولولے دَب جاتے ہیں اور وہ کہتے ہیں افسوس ابھی ہماری بیماری کے جانے کا وقت نہیں آیا وہ پھر کفرستان میں چلے جاتے ہیں۔ پھر خدا کا خانہ خالی رہ جاتا ہے پھر شیطان کی حکومت دلوں پر قائم ہو جاتی ہے اور پھر رحمانی فوجوں کو شیطان سے برسرِ پیکار ہونا پڑتا ہے۔ پس جب تک تم اپنے اندر تبدیلی پیدا نہیں کرتے، جب تک تم اپنے اعمال سے یہ بتا نہیں دیتے کہ اب تم وہ نہیں رہے جو پہلے ہوا کرتے تھے بلکہ تم تمام محنت کرنے والوں سے زیادہ محنت کرنے والے اور تمام قربانی کرنے

والوں سے بڑھ کر قربانی کرنے والے ہو تم زمین کے نہیں بلکہ آسمان کی مخلوق ہو اُس وقت تک تم دنیا میں کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکتے لیکن اگر تم میں یہ اوصاف پیدا ہو جائیں تب اور صرف تب دنیا کے لوگ تمہاری طرف متوجہ ہوں گے، وہ تمہاری طرف پیاسوں کی طرح دوڑتے چلے آئیں گے، وہ تم سے علاج اور مداویٰ کے طلبگار ہوں گے کیونکہ وہ تمہارے چہروں پر وہ چیز دیکھیں گے جس کے دیکھنے کے وہ دیر سے متمنی اور خواہشمند ہیں اور تمہارے ذریعہ اُنہیں وہ چیز ملے گی جو دنیا میں اور کہیں نہیں مل سکتی۔ تمہارے ذریعہ سے وہ گرم گرم ہوائیں چلیں گی جو کفر کی سردیوں کو بالکل دور کر دیں گی اور تمہارے قلب میں سے تسکین کی وہ شعائیں نکلیں گی جو گناہوں کی آگ کو بالکل سرد کر دیں گی۔

یہ لازمی بات ہے کہ جس کی ضرورت جس دُکان سے پوری ہو جائے وہ اُسی دُکان پر جاتا ہے۔ جب تک دنیا کے لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ ان کی ضرورتیں تمہارے ذریعہ سے پوری نہیں ہو رہیں اُس وقت تک انہیں تمہاری طرف توجہ پیدا نہیں ہوسکتی۔ وہ کہتے ہیں اگر ہم عیسائی ہیں تو عیسائی ہی مریں گے، ہندو ہیں تو ہندو ہی مریں گے، سکھ ہیں تو سکھ ہی مریں گے ان کے دلوں میں یہ تڑپ پیدا نہیں ہوتی کہ وہ تمہارے پاس آئیں اور اپنی ضرورت کی چیز تم سے حاصل کریں کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ تمہاری دُکان بھی دوسری دُکانوں کی طرح خالی پڑی ہے اور تمہاری دُکان ان کی ضرورت کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ لیکن جس دن ان کے کانشس تسلّی پا جائیں گے اور وہ کامل یقین کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ جس چیز کی انہیں تلاش ہے وہ صرف اور صرف تمہارے پاس ہے اور وہ تمہارے چہروں سے اس نور کا مشاہدہ کریں گے جس نور کی تلاش میں وہ سرگردان پھر رہے ہیں تو تم دیکھو گے کہ دنیا کی کوئی بندش اُن کو روک نہیں سکتی، کوئی قید اُن کو ڈرا نہیں سکتی، کوئی طاقت اُن کو متزلزل نہیں کر سکتی، نہ اُن پر اپنے بھائیوں کا اثر ہوگا نہ بہنوں کا، نہ ماں باپ کا اثر ہوگا نہ دوسرے عزیز و اقارب کا، خاوند اپنی بیویوں کو چھوڑ کر، بیویاں اپنے خاوندوں کو چھوڑ کر، بیٹے اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر، ماں باپ اپنے بیٹوں کو چھوڑ کر، دوست اپنے دوست کو چھوڑ کر اور رشتہ دار اپنے رشتہ داروں کو چھوڑ کر دیوانہ وار تمہاری طرف دوڑتے چلے آئیں گے اور کہیں گے ہم تو اس دن کو ترس گئے مدتوں کی

تلاش اور جستجو کے بعد ہمیں آج پتہ لگا کہ وہ قیمتی متاع جس کی ہمیں تلاش تھی وہ تمہارے پاس ہے۔ ہم اس کے حصول کے لئے اپنی ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ ہمارے دلوں کی آگ سرد ہو جائے، ہمارے قلوب کی خلش دور ہو جائے اور ہماری بے تابی راحت اور سکون میں تبدیل ہو جائے۔ یہی اور یہی ذریعہ ہے اسلام کے دنیا پر غالب آنے کا، جب تک یہ نہ ہو اس وقت تک ساری امیدیں مجنونانہ اور سارے خیالات پاگلانہ ہیں۔ پس میں تمہیں صرف اسی بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔

نوٹ تو مَیں نے اور باتیں بھی کی ہوئی تھیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے لئے یہی ایک بات کافی ہے جب تک تم پابندیوں اور مجبوریوں کی جکڑ بندیوں سے نہیں نکلو گے جب تک تم یہ طوق اپنی گردن سے دور نہیں کرو گے، جب تک تم یہ زنجیریں اپنے پاؤں سے نہیں کھولو گے اُس وقت تک تمہاری ساری کوششیں عبث اور رائیگاں ہیں۔ ایک اور صرف ایک ہی چیز ہے جو تمہیں کامیاب کر سکتی ہے کہ یہ لعنت کا طوق، یہ مجبوری کا طوق، یہ معذوری کا طوق اپنی گردنوں سے دُور کرو اور وہ زنجیریں جو ہمیشہ ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں پڑی رہتی ہیں اور وہ بیڑیاں جو ان کے پاؤں کو چلنے نہیں دیتیں ان سب کو توڑ دو اور اُن بندھنوں اور قیود سے آزاد ہو جاؤ تب مشکل کام بھی تمہارے لئے آسان ہو جائے گا اور تم فخر سے اپنی گردن اونچی کر کے دنیا کی اقوام کے مقابلہ میں کھڑے ہو سکو گے۔

اب میں دعا کر دیتا ہوں چونکہ دلوں کا بدلنا خدا کے اختیار میں ہے میرے اختیار میں نہیں اِس لئے میں خدا تعالیٰ سے ہی دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہارے اندر حقیقی عزم اور پختہ ارادہ پیدا کرے جس سے تم سچے مسلمان بن کر ایسے کام کرو جو دنیا کو بدل ڈالنے والے اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت کو دنیا میں دوبارہ قائم کرنے والے ہوں۔ (الفضل ۲؍نومبر ۱۹۶۰ء)

ا؎ طبقات ابن سعد۔نہج البلاغۃ

۲؎ سیرت ابن ھشام جلد ۴ صفحہ ۵۵ مطبوعہ ۱۹۳۶ء

۳؎

۴؎